قرآن کریم میں خارجہ سیاست کے اصول[1]

The Principals of Foreign Policy in the Holy Quran

Open Access Journal
Qtly. Noor-e-Marfat
eISSN: 2710-3463
pISSN: 2221-1659
www.nooremarfat.com
Note: All Copy Rights are Preserved.

Syed Abdulquoom Sajjadi
Ph.D. Scholar (IRI) Bahisti; International University, Qum.

Abstract:

The Holy Qur'an has restricted its scope only to outlining the general principles and rules of politics and the general guidelines regarding foreign policy. We have termed these general guidelines as "the principals of foreign policy," and have discussed them under the titles of "the principal of rejection go domination", "the principles of Da'wah or Jihad", "the principles of Islamic dignity" and "the principles of fulfilling international treaties." These principles are, in fact, the general outlines of the foreign policy of an Islamic state which it cannot ignore.

Key Words: Foreign Policy, Islamic Diginity, Da'wah, International Treaties.

خلاصہ

قرآن کریم نے سیاسی مسائل میں کلی اصول و ضوابط کے بیان اور خارجہ سیاست کے بارے میں عمومی ہدایات پر اکتفاء کیا ہے۔ان کلیات کو ہم نے خارجہ سیاست کے کلی اصول و ضوابط کا نام دیا ہے اور چار بنیادی عناوین یعنی "نفی سبیل"، "دعوت یا جہاد" "اسلامی عزت وو قار" اور "بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی" پر بحث کی ہے۔ در حقیقت، یہ اصول ایک اسلامی مملکت کی خارجہ پالیسی کی General Outlines ہیں جنہیں ایک اسلامی مملکت نظر انداز نہیں کر سکتی۔

کلیدی کلمات: سیاست خارجہ، اسلامی عزت وو قار، دعوت، بین الاقوامی معاہدے۔

1 . This work is the translation of a published article in a Persian Research Journal "Political Sciences"; Issue # 15, 1380 AHS. (Translated by Editor qtly. Noor-e-Marfat).

مقدمہ

قرآن کریم کی نظر میں اسلام کی "خارجہ پالیسی کے اصولوں" کا مطالعہ اور ان کے بارے میں تحقیق، چند ایسے مفروضات پر استوار ہے جن پر توجہ کیے بغیر "اسلام کی خارجہ سیاست" کے بارے میں بحث مکمل نہیں ہو سکتی۔ ان مفروضات میں مہم ترین درج ذیل ہیں:

1. اگر ہم "قرآن کے منظر سے اسلام کی خارجہ سیاست کے اصولوں" پر بحث کرنا چاہیں تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ دین اور سیاست کا رابطہ مسلم فرض کر لیا جائے۔ کیونکہ دین کی سیاست سے جدائی کا عقیدہ رکھتے ہوئے اس بحث کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔
2. سیاست کے عمومی معنا کو مدّ نظر رکھتے ہوئے، خارجہ سیاست سیاست کا ایک اہم حصہ ہے۔ لہٰذا یہ مسلم فرض کر لیا جائے کہ دین نے سیاسی مسائل میں رہنمائی فراہم فرمائی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ ہم اس امر کے بھی قائل ہو جائیں کہ اسلام نے خارجہ سیاست کے مسائل میں بھی رہنمائی فرمائی ہے۔
3. خارجہ سیاست ان سیاسی مسائل کا مجموعہ ہے جن کا بین الاقوامی تعلقات سے تعلق ہے۔ اور یہ عام طور پر دو حصوں یعنی ثابت اور متغیر پر مشتمل ہے۔ اس کا ثابت حصہ خارجہ سیاست کا کلی خاکہ بیان کرتا ہے جس میں خارجہ سیاست کی جہت اور حکمتِ عملی مرتب کی جاتی ہے۔ یہ حصہ عام طور پر نظریاتی تعلیم اور سماجی اقدار اور برسرِ اقتدار آئیڈیالوجی پر مشتمل ہوتا ہے۔ جبکہ خارجہ سیاست کا متغیر حصہ وہ Guidelines فراہم کرتا ہے جو بدلتے حالات میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔
4. اسلام کے ثابت اور متغیر دو حصے ہیں۔ اس کا ثابت حصہ دینداروں کے طرزِ عمل کے ہمیشہ باقی رہنے والے اور ماندگار کلی اصول اور مبانی بیان کرتا ہے۔ لیکن اس کا متغیر حصہ سماج اور زمانہ کی ضروریات سے متاثر ہوتا ہے۔ خارجہ سیاست کا متغیر حصہ اسلام کے متغیر پہلو کی طرف لوٹتا ہے۔ کیونکہ شرائط اور زمانہ کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ یہ حرکت کی جہت کو بدل دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی مسائل اور اجتماعی مدیریت کے باب میں دینی فکر فقط کلیات اور اصول کے بیان کی حد تک محدود ہو جاتی ہے۔
5. معاصر اکیڈمک اور منظّم سیاسی نظاموں میں بین الاقوامی تعلقات اور "خارجہ سیاست" آخری چند صدیوں اور بالخصوص دوسری عالمی جنگ کے بعد کا محصول ہے۔ لیکن بیرونی ممالک کے دورہ جات اور جنگ و صلح سے مربوط مسائل جیسے بعض سیاسی امور اتنے پرانے ہیں جتنی انسانی تاریخ پرانی ہے۔ اگر اس منظر سے دیکھا جائے تو اسلام میں خارجہ سیاست کی بحث پیش آتی ہے۔ کیونکہ Kalevi Jaakko Holsti کے بقول اگر جنگ و صلح کو بین الاقوامی تعلقات کا ایک اہم ترین مسئلہ قرار دے دیں تو بین الاقوامی مسائل کا مطالعہ میلادِ

مسیح علیہ السلام سے ماقبل کے مسائل کی طرف لوٹتا ہے اور"Peloponnesus" کے بارے میں "Thucydides" کی تاریخی کتاب اس شعبہ کا قدیمی ترین متن شمار ہوتی ہے۔[1]

6. مذکورہ بالا نکات پر توجہ رکھتے ہوئے قرآن کریم میں اسلام کی خارجہ پالیسی کے اصول بیان کیے جا سکتے ہیں۔ یہ اصول ایک مسلم ریاست کی خارجہ پالیسی کے عمومی خدّوخال اجاگر کرتے اور مسلمانوں کے غیر مسلم معاشروں کے ساتھ روابط کو ایک نظم دیتے ہیں۔ یقیناً قرآن کریم اعتقادی، سماجی اور سیاسی مسائل کے بیان پر مشتمل کتاب ہے اور بعض قرآنی آیات سے اسلام کی خارجہ سیاسی کے بنیادی اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

اسلام کی خارجہ سیاست کے اصول

جیسا کہ اشارہ ہوا، خارجہ سیاست کے اصولوں سے مراد، دینی تعلیمات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو مسلمان ریاست کی خارجہ سیاست کی حدود معین کرے، پائیدار اور ماندگار ہو اور خارجہ سیاست کے تمام مسائل ان تعلیمات کی روشنی میں حل کیے جاتے ہوں۔ خارجہ سیاست کے اصولوں کے بارے میں ایک مسلمان محقق کہتا ہے: "خارجہ سیاست کے اصولوں سے مراد، ایک مسلم ریاست کے خارجہ تعلقات کے وہ بنیادی تصوّرات اور اساس ہے کہ جنہیں دینی منابع خارجہ تعلقات کی حدود و قیود اور بنیاد کے طور پر پیش کرتے ہیں۔"[2] خارجہ سیاست کے اصولوں کی مذکورہ بالا تعریف پر توجہ رکھتے ہوئے ان اصولوں کو خارجی تعلقات پر ناظر آیات سے درج ذیل عناوین کے تحت اخذ اور پیش کیا جا سکتا ہے:

1. دعوت یا جہاد کا اصول
2. ظلم ستیزی اور "نفی سبیل" کا اصول
3. اسلامی عزت و وقار اور دینی رہبری کا اصول
4. سیاسی معاہدوں کی پابندی کا اصول۔

البتہ بعض محققین نے ان اصولوں کے ساتھ ساتھ "تولّا و تبریٰ"، "تألیفِ قلوب" اور "امر بالمعروف" جیسے عناوین بھی باندھے ہیں۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ مذکورہ بالا چار اصول، ان عناوین پر بھی مشتمل ہیں اور انہیں مستقل اور الگ سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ "تألیفِ قلوب" کے باب میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگرچہ اس پر اسلام کی خارجہ سیاست کے ذیل میں بحث کی گئی ہے لیکن اس حکم کی تشریع اور اس کی Implementation کے مواقع سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "تألیفِ قلوب" خارجہ سیاست کا اصول ہونے سے زیادہ خارجہ سیاست کا ہتھیار ہے۔ کیونکہ تألیفِ قلوب ان پالیسیوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے جو آج کل اقتصادی حربوں اور بشر دوستانہ معاونت کے عنوان سے لاگو کی جاتی ہیں۔ درحقیقت، اسلامی ریاست غیر مسلم معاشروں کو جذب کرنے یا اُن کی دشمنی کم کرنے کے لئے

"مولفۃالقلوب" کے سہم سے استفادہ کرتی ہے۔مثال کے طور پر پیغمبر اسلام ﷺ نے طائف کی جنگ میں تازہ اسلام قبول کرنے والے اشراف اور بزرگان اور اسی طرح ان مشرکین کو جنھوں نے اس جنگ میں آپ کی مدد کی تھی مولفۃ القلوب کے حصہ سے مال عطا کیا تاکہ ان اور ان کے قبائل کو اسلام کی طرف راغب کر سکیں۔[3]

1. دعوت یا جہاد کا اصول

اسلام کی خارجہ سیاست کے اصولوں میں سے یہ اصول شاید سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور اس پر دیگر اصولوں کی نسبت زیادہ بحث ہوئی ہے۔احتمالاً، اس اصول کی اہمیت کی ایک عمدہ وجہ یہ ہے کہ یہ اسلام کی نظر سے خارجہ تعلقات کی ماہیت بیان کرتا ہے۔چونکہ دعوت اور جہاد کے موضوعات پر وسیع پیمانے پر بحثیں ہوئی ہیں لہٰذا ان دونوں اصولوں کے بارے میں ایک ساتھ بحث کی جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بعض مسلمان محققین کے بقول اگر محض دعوت کے عنوان پر بحث کی جائے تو پھر خارجہ تعلقات میں جنگ و صلح کے اصول کے بارے میں پائے جانے والے کئی نظریات نظرانداز ہو جائیں گے اور اگر محض جنگ یا جائز جہاد کو اصول قرار دے دیں تو دعوت کا اصول زیر بحث نہ لایا جاسکے گا۔

ہم یہاں "اسلام کی نظر سے خارجہ تعلقات" کی ماہیت پر مبنی ایک بنیادی سوال کے ضمن میں اس بحث کی تفصیلات میں داخل ہوتے ہیں اور وہ سوال یہ ہے کہ آیا اسلام غیر مسلم معاشروں کے ساتھ اپنے روابط میں جنگ کو بنیاد قرار دیتا ہے یا صلح کو؟ دوسرے الفاظ میں آیا صلح ایک قاعدہ ہے اور جنگ ضرورت ہے یا معاملہ برعکس ہے؟اگر اسلام کی خارجہ سیاست کے اصولوں میں سے جہاد کے اصول پر تاکید کی جائے تو بعض مسلمان دانشوروں اور اکثر مستشرقین کے زعم میں اسلام کے خارجہ تعلقات کا بنیادی اصول جنگ ہو گا اور صلح محض معروضی حالات میں اور ایک Exceptional چیز شمار ہو گی۔ لیکن اگر ہم دعوت کو بنیادی اصول قرار دے دیں تو صورتحال بدل جائے گی۔ پس یہاں دو طرح کے نکتۂ نظر موجود ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ پر بحث کے دوران دو روشیں اپنائی جاسکتی ہیں۔[4]

الف) مستشرقین کی روش کہ جو "انتشار الاسلام بالسیف" (اسلام تلوار کے ذریعے پھیلاو) کے نام سے بیان ہوتی ہے۔ یہ روش ارہاب، اصول گرائی، الاسلام المسلح اور التطرف پر تاکید کرتی ہے۔اس روش میں آیات جہاد اور بالخصوص آیۂ سیف ایک دستاویز کے طور پر مورد توجہ قرار پاتی ہے۔

ب) دوسری روش مسلمان روشن خیالوں کی ہے جو "تنظیف وجه الاسلام" یا اسلام کو ہر قسم کی مقاومت اور جنگ سے پاک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے صلح و آشتی، Tolerance مسالمت آمیز زندگی اور رافت جیسے مفاہیم پر تاکید کرتے ہیں۔

جہاں پہلا گروہ محض جہاد کی آیات کی تحلیل پیش کرتا اور صلح اور امن کی آیات کو نظرانداز کر دیتا ہے، وہاں دوسرا گروہ صلح اور مسالمت پر تاکید کرتے ہوئے جہاد کی آیات کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ میانہ روش یہ ہے کہ دونوں قسم آیات کو جمع کیا جائے۔ اکثر مفسرین اور فقہائے اسلام نے اس باب میں کافی غور وخوض سے کام لیا ہے اور ان سب کے نظریات کی روشنی میں درج ذیل طریقے سے مطالب کی جمع بندی اور نتیجہ گیری کی جا سکتی ہے:

اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کو بھیجنے کا مہم ترین اور شاید اصلی ترین ہدف، دعوت ہے۔ قرآن کریم کی کئی آیات نے پیغمبروں کا تعارف ایک دینی داعی کے طور پر کروایا ہے۔ بنابریں، پیغمبر اور دینی پیشواوں کا بنیادی ترین فریضہ بنی نوع بشر کو وحی کی تعلیمات اور دینی اقدار کی طرف دعوت دینا ہے۔ دوسری طرف، مشرکین اور طغیان گروں کے خلاف جنگ و جہاد بلاشک مسلمانوں اور دینی پیشواوں کا اساسی ترین فریضہ شمار ہوتا ہے۔ جنگ و جہاد کے باب میں جو بات مہم ہے وہ یہ کہ جنگ و جہاد کے حکم کی تشریع کا فلسفہ دیکھا جائے اور یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ جہاد کیوں اور کس زمانے میں انجام پاتا ہے؟

اس نکتہ کی تحلیل اور موشکافی ہی کے ذریعے اسلامی حکومت کے خارجہ تعلقات میں دعوت اور جہاد کے اصولوں کے باہمی رابطہ کو برملا کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر جہاد کا ہدف کشورگشائی قرار دیا جائے تو اس سے مستشرقین کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ اسلام جنگ کا دین ہے۔ لیکن اگر جہاد کی تشریع کا فلسفہ آسمانی تعلیمات کی طرف دعوت اور اسلامی اقدار کی طرف دعوت ہو؛ نہ سلطہ جوئی اور کشورگشائی، تو مستشرقین کا دعویٰ باطل اور مغرضانہ شمار ہوگا۔

اس تحریر کا مدعیٰ یہ ہے کہ اسلام کے خارجہ تعلقات کا بنیادی اصول، صلح ہے اور جنگ ایک Exceptional Case ہے جو محض ضرورت کے تحت جائز قرار پاتی ہے۔ اس فرضیہ پر ہمارے استدلال کا نچوڑ یہ ہے کہ جہاد بذات خود دعوت کے مراحل میں سے ایک مرحلہ شمار ہوتا ہے اور جہاد کا ہدف دینی اقدار کی ترویج کے سوا کچھ نہیں۔ بقول ایک محقق: "توحید جہاد کی اساس اور جہاد توحید کے لئے ہے۔" ذیل میں ہم "دعوت" کو خارجہ پالیسی کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول قرار دیتے ہوئے قرآنی آیات کی روشنی میں اس موضوع پر بحث کرتے ہیں اور اس کے بعد "جہاد" سے مربوط آیات کا مطالعہ اور تجزیہ و تحلیل پیش کریں گے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات خیر وصلاح کی طرف دعوت کو پیغمبر اکرم ﷺ کا بنیادی ترین فریضہ قرار دیتی ہیں۔ خداوند تعالی اپنے پیغمبروں کو اپنے پیغام رسان اور اپنی رحمت کا مظہر اور انسانیت کی اصلاح اور تزکیہ کا مظہر قرار دیتا ہے۔[5] بعض آیات میں اللہ تعالی نے اپنے پیغام کے ابلاغ اور بنی نوع بشر کو اسلامی اقدار کی طرف دعوت دینے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ خدا کا وعدہ ہے کہ جب تک کہ کسی قوم کے پاس ایک رسول کو اس فریضہ کی ادائیگی

کے لئے مقرر نہ فرمادے، اس کو مجازات نہ کرے گا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (15:17)۔
اسلام کے خارجہ تعلقات میں بھی دعوت کے اصول کو ایک اساسی اصول کے طور پر موردِ توجہ اور موردِ تاکید قرار دیا گیا ہے۔ خداوند تعالی ایک آیت میں پیغمبر ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اس اصول کا تعارف ان الفاظ میں کرواتا ہے: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا (64:3) ترجمہ: "کہہ دیجئے اے اہل کتاب اس کلمہ کی طرف آجاو جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہے کہ خدا کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور خدا کے علاوہ کسی کو آقا اور فرمانروا نہ مانیں۔" یہ آیت اور اس جیسی آیات بخوبی اس امر کی بیانگر ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ خارجہ تعلقات میں ہر چیز سے پہلے اس امر کے پابند ہیں کہ لوگوں کو ایک خدا کی طرف بلائیں۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت میں بھی یہ اصول ہر چیز سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جب تک کسی قوم کو دعوت نہیں دی، اس کے خلاف جہاد کا حکم بھی نہیں دیا۔ پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت سے کئی نمونوں نے اس نکتہ کی ترجمانی کرتے ہیں۔ منجملہ: صلح حدیبیہ، ایران اور روم کے سلطنتوں کے دربار میں پیغام اور سفیر بھیجنا۔[6]
ایک روایت میں حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: جب پیغمبر ﷺ مجھے یمن بھیج رہے تھے تو فرمایا: "یا علیؑ! اگر خداوند تیرے ہاتھوں ایک شخص کو ہدایت دے تو یہ اس سب کچھ سے بہتر ہے جس پر سورج چمکے۔"[7] ابن عباس سے نقل کرتے ہوئے ابویعلی، طبری اور دیگر نے کہا ہے کہ: رسول خدا ﷺ نے ہرگز کسی قوم کے ساتھ جنگ نہیں کی مگر یہ کہ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی۔[8] پیغمبر اکرم ﷺ دعوت کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ تمام جنگوں میں پہلے دعوت دی۔ حتی کہ جن لوگوں کو پہلے دعوت دے چکے ہیں ان کو بھی دوبارہ اسلام کی دعوت دی۔ اس کے باوجود کہ اہل خیبر دعوت کو جانتے تھے، پیغمبر ﷺ نے تین دن اپنے سفیر اور دعوت دینے والے ان کے پاس بھیجے تاکہ ان کو اسلام کی دعوت دیں۔[9] دعوت پر ناظر تمام آیات اور روایات اور پیغمبر اکرم ﷺ اور دینی پیشواؤں کی سیرت سے یہی درس ملتا ہے کہ "دعوت" غیر مسلم معاشروں کے ساتھ اسلام کے خارجہ تعلقات میں ایک اساسی اصول ہے اور اس کی اتنی اہمیت ہے کہ دعوت کے بغیر جہاد جائز نہیں ہے اور اس معاملہ پر اکثر شیعہ و سنی فقہاء میں اتفاق ہے۔[10]
آیا اسلام کے خارجہ تعلقات میں بنیادی اصول "جنگ" ہے یا "صلح"؟ اگر دعوت کی آیات کی محوریت کی بنیاد پر بات کی جائے تو یہ آیات صلح و سلامتی کے اصول پر تاکید کرتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جہاد کی آیات کی کیا تفسیر کی جا سکتی ہے؟ وہ لوگ جو جنگ و جہاد کو بنیادی اصول قرار دیتے ہیں ان کا عمدہ مستند وہ آیات ہیں جو مسلمانوں کو کافروں اور مشرکین کے ساتھ قتل و کشتار کا حکم دیتی ہیں اور جہاد کو ایک فریضہ اور شرعی فرض قرار دیتی ہیں:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً (36:9) ترجمہ: "تمام مشرکین سے جنگ کرو۔" وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (193:2) ترجمہ: "اور ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے۔" اور فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (5:9) ترجمہ: "تو تم مشرکوں کو قتل کر دو جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ۔" جیسی آیات وہ آیات ہیں جن کی روشنی میں خارجہ تعلقات میں اسلام کی جنگ محوری کی ماہیت ترسیم کی گئی ہے۔ اس باب میں تفسیری روایات سے صرفِ نظر دو نکات کا بیان بہت اہم ہے:

1. جہاد کی آیات کو مجموعی طور پر دو طبقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: پہلا طبقہ ان مقید آیات کا ہے جو جہاد کو فتنہ، ظلم کے وجود پر اور جنگ کے غیر مسلموں کی طرف سے آغاز پر جائز قرار دیتی ہیں۔ اس طبقہ کی آیات عام طور پر جہاد کی ماہیت اور دفاعی جنگ کی ماہیت بیان کرتی ہیں اور ان میں کوئی خاص اشکال یا محذور بھی نظر نہیں آتا۔ کیونکہ دفاع تمام معاشروں اور انسانوں میں ایک مسلم حق سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا، مطلق آیات کہ جو بلا قید و شرط کافروں اور مشرکین کے خلاف جہاد کا حکم دیتی ہیں۔ عمدہ اشکال انہی آیات پر ہے اور اسلام کے جنگ محور ہونے کے نظریہ کے حامی بھی انہی آیات سے استدلال کرتے ہیں۔
2. جہاد کا فلسفہ کیا ہے؟ آیا جہاد کشور گشائی اور قتل و غارت کے لئے ہے یا اس کی ماہیت اصلاح اور دعوت پر مبنی ہے؟ دوسری صورت میں جہاد خود دعوت کے مراحل میں سے ایک مرحلہ قرار پاتا ہے اور بعض مفسرین کے بقول یہ دفاعی رنگ اپنا لیتا ہے۔ اکثر شیعہ و سنی مفسرین اور فقہاء، جہاد کو اصلاحی ماہیت کا حامل اور اسلامی دعوت کی جہت میں قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں سلطنت طلبی اور توسیع پسندی کے لئے جنگیں نہ تنہا جائز نہیں، بلکہ اسلامی متون میں ان کی نفی اور سرزنش کی گئی ہے۔ لہٰذا جہاد خود خدا کی طرف دعوت اور کلمۃ اللہ کی سربلندی اور باطل کو محو کرنے کا وسیلہ ہے۔[11]

علامہ طباطبائی کا عقیدہ یہ ہے کہ جہاد اساسی طور پر دفاعی ماہیت رکھتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"خدا کی راہ میں قتال، چاہے دفاعی ہو، چاہے ابتدائی، در حقیقت انسانیت کے حق کا دفاع ہے اور یہ حق، وہی حقِ حیات ہے۔ کیونکہ خدا کے ساتھ شرک انسانیت کی ہلاکت ہے، فطرت کی موت ہے اور دل کے چراغ کی خاموشی کا نام ہے اور جہاد جو کہ اسی انسانیت کے دفاع سے عبارت ہے، اس زندگی کو لوٹاتا اور اس حق کے مر جانے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرتا ہے۔" اس کے بعد آپ جہاد کی دفاعی ماہیت کی بحث کو جاری رکھتے ہوئے مستشرقین کے اشکالات کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

"قرآن، اسلام کو فطرت کے ساتھ ہماہنگ قرار دیتا ہے اور یہ فطرت حکم دیتی ہے کہ توحید تنہا وہ اساس اور پایہ ہے

جس پر انسان کے فردی اور اجتماعی قوانین کا اجراء ضمانت پاتا ہے۔ لہٰذا ایسی اساس کا دفاع اور اسے معاشرہ کے درمیان پھیلانا اور اس کی نگہبانی بنی نوع بشر کا جائز حق ہے اور انسان کو چاہیے کہ ہر ممکن وسیلہ سے اپنا حق حاصل کرے۔۔۔ قرآن پہلے مرحلہ پر یہ حق دعوت کے ذریعے مانگتا ہے اور دوسرے مرحلہ میں مسلمانوں اور مرکزِ اسلام کے دفاع اور تیسرے مرحلہ میں ابتدائی جنگ و جہاد کے ذریعے جو کہ بظاہر ابتدائی قتال ہے لیکن در حقیقت، انسانیت، توحید اور یکتاپرستی کے دفاع کے سوا کچھ نہیں۔ اسلام کسی صورت اچھی زبان سے دعوت اور اتمام حجت کے بغیر جنگ کا آغاز نہیں کرتا۔"[12]

جہاد سے پہلے دعوت کا لازمی قرار دیا جانا اور ایسے جہاد کا جائز نہ ہونا جس میں دعوت نہ ہو، ایک ایسا امر ہے جس پر فقہاء اور مفسرین کا اتفاق ہے۔ منجملہ شیخ بہائی کا کہنا ہے کہ: "جہاد سے پہلے دعوت دینا واجب ہے۔ کیونکہ کفار کو دعوت دیے بغیر ان کے خلاف ابتدائی جنگ جائز نہیں ہے۔"[13] علامہ حلّی بھی دعوت کو جہاد سے پہلے کا مرحلہ قرار دیتے ہیں اور جہاد کو دعوت کے مراحل میں سے ایک مرحلہ قرار دیتے ہیں۔[14] ان علماء کے نظریات سے مجموعی طور پر یہی استفادہ ہوتا ہے کہ جہاد ہمیشہ دفاعی ماہیت جا حامل ہے اور یہ اسلام کی جنگ محوری کے اصول کا بیانگر نہیں ہے۔ اس حوالے سے استاد مطہری جہاد کی دفاعی ماہیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

"اگر توحید کو انسانوں کے حقوق میں سے ایک حق قرار دیں تو ممکن ہے کہ انسانیت کی مصلحت کا تقاضا ہو اور توحید کی مصلحت کا تقاضا یہی ہو مشرک قوم کے ساتھ جنگ لڑ سکیں، البتہ نہ ان پر توحید ٹھونسنے کے لئے کیونکہ توحید و ایمان کو ٹھونسا نہیں جا سکتا تو ہم مشرکین کے ساتھ جنگ فتنہ و فساد کو بنیاد سے اکھاڑ پھینکنے کی غرض سے جنگ لڑ سکتے ہیں۔"[15]

اہل سنت مفکّرین نے بھی دعوت و جہاد کی آیات پر بحث کے ضمن میں اسلام کے خارجہ تعلقات میں صلح کے اصول کو بنیاد قرار دیا ہے۔ معاصرین میں سے محمد رشید رضا، محمود شلتوت، محمد ابوزہرہ، عبدالوہاب خلاف، عبداللہ بن زید آل محمود وغیرہ کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔[16] بعض محققین نے اسلام کے خارجہ تعلقات کو "صلح محور" قرار دیتے ہوئے جہاد کو انسانی معاشروں میں Social Justice کے نفاذ اور ظلم کو مٹا دینے کا موجب قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق اسلام صلح محوری کو اصالت دیتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً (208:2) ترجمہ: "اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔"

لیکن چونکہ صلح، تنہا عدالت کے سائے میں ہی استقرار پاتی ہے لہٰذا اسلام عدالت کے قیام کے تقاضوں اور وسائل سے غافل نہیں ہے۔ پس صلح اور عدالت کے قیام کے درمیان ایک طرح کا تلازم اور دوطرفہ تعلق پایا جاتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک عادلانہ نظام کا قیام کی راہ میں ایسی سخت رکاوٹیں پائی جاتی ہیں کہ جنہیں محض جہاد ہی

کے ذریعے کو برطرف کرنا ممکن ہوتا ہے۔[17] لہٰذا جہاد کی تشریع کا فلسفہ –جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے– نہ تو انسانوں کی نابودی ہے اور نہ ہی سلطہ جوئی؛ بلکہ جہاد دین کی طرف دعوت کے راستے میں قرار پاتا ہے اور بذات خود ہدف نہیں ہے۔ اسلام نے اپنے پھیلاؤ کے لئے جنگ کا راستہ نہیں اپنایا، بلکہ جنگ تو دعوت اور مقدمات کی فراہمی کا ایک نیچرل ذریعہ ہے۔[18]

2. غلبے کی نفی (نفی سبیل) کا اصول

غلبے کی نفی یا "نفی سبیل" کا عنوان قرآنی نص سے اخذ شدہ ہے: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (141:4) ترجمہ: "خدا نے کافروں کو مومنوں پر کبھی غلبہ نہیں بخشا۔" اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے مختلف اقوال بیان کیے ہیں۔ بعض نے "سبیل" سے حجت اور دلیل کا معنی مراد لیا ہے اور آیت کا معنی یوں کیا ہے کہ خداوند تعالی نے کافروں کو مومنوں کے مقابلے میں کوئی برتر حجت و دلیل نہیں دی ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ "نفی سبیل" سے مراد قیامت کے میدان میں کافروں کے مومنوں پر غلبہ کی نفی ہے۔ ابن عربی نے ان دونوں احتمالات کو ضعیف قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس آیت میں تین احتمال پائے جاتے ہیں:[19]

1- کافروں میں کسی صورت مومنین کی حکومت کو محو اور نابود کرنے اور مرکزِ اسلام کو مٹا دینے کی طاقت نہیں ہے۔

2- خداوند تعالیٰ نے کافروں کے مومنوں پر تسلط کا کوئی مقدمہ فراہم نہیں فرمایا؛ یہ خود مسلمان ہیں جو اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے کافروں کے مسلمانوں پر غلبے کا مقدمہ فراہم کرتے ہیں۔

3- خداوند تعالیٰ نے کافروں کے مومنوں پر غلبہ کو جائز قرار نہیں دیا۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک اور مفسر کا کہنا ہے کہ: "اکثر علماء اس آیت کو مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھوں بیچنے کی ممانعت پر استدلال کیا ہے کیونکہ اس سے کافر کو مسلمان پر تسلط حاصل ہو جاتا ہے جو اس کی ذلت و خواری کا موجب بنتا ہے۔"[20] لہٰذا اگر مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھوں بیچنا جائز نہیں کہ اس سے کافر کو مسلمان پر تسلط حاصل ہو جاتا ہے تو ہر وہ کام اور پالیسی جو مسلمانوں پر کافروں کے تسلط کا موجب بنے یقیناً وہ بھی ممنوع اور ناقابل قبول ہے۔ اس آیت سے ایسے معاملہ کی حرمت پر استدلال اس صورت میں مکمل ہوگا کہ "سبیل" کا کلمہ غلبہ کے معنی میں لیا جائے، نہ کہ حجت و برہان کے معنی میں۔ بنابریں، نفی سبیل کی آیت، اسلامی مملکت کی خارجہ پالیسی کی اساس فراہم کرتی ہے اور بعض محققین کے بقول تو: "یہ آیت تمام آیات پر حاکم ہے اور دیگر تمام آیات کی تفسیر اس آیت کے تناظر میں کی جانی چاہیے۔"[21]

بطور نمونہ، اگر اسلامی حکومت غیر مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان باندھے تو قرآن کے "وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ" (34:7) ترجمہ: "عہد کو وفا کرو۔" کے صریح حکم کے ماتحت ضروری ہے کہ اسلامی حکومت اس میثاق و پیمان کی پابند ہو۔ لیکن اگر یہ پیمان کافروں کے مسلمانوں پر سیاسی، تہذیبی اور فوجی غلبہ کا موجب ہو تو ایسا پیمان معتبر نہیں اور "وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ" کی آیت کے ذیل سے خارج ہوگا۔ لہٰذا اسلام کے غیر مسلمانوں کے ساتھ خارجہ تعلقات میں اس امر کا خیال رکھا جائے کہ اس سے کافروں کے مسلمانوں پر غلبہ کی راہیں ہموار نہ ہوتی ہوں۔ وگرنہ ایسے تعلقات قائم کرنا جائز نہ ہوگا۔ بہرصورت، نفی سبیل کے اصول کی اساس پر اسلامی معاشروں پر کافروں کے ہر قسم کے سیاسی فوجی، اقتصادی اور تہذیبی غلبہ کا راستہ بند ہے۔[22]

سیاسی لحاظ سے دوسروں کی حمایت کے ماتحت قرار پانے کی نفی، ظلم اور استبداد و استعمار کی نفی، مسلم مملکت کے داخلی معاملات اور سیاسی فیصلوں میں غیروں کی مداخلت کا جائز نہ ہونا، ان سب امور پر بہت تاکید کی گئی ہے۔ اسی طرح فوجی لحاظ سے بھی کافروں کو مسلمان افواج کے فیصلوں پر مسلط ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ ضمناً کافروں پر اقتصادی عدم انحصار، ثقافتی نفوذ کی راہیں بند کرنے اور فوجی معاملات میں کافروں سے Consultancy کی ممانعت پر اسلام کے خارجہ تعلقات میں خاص توجہ دی گئی ہے۔ لہٰذا "نفی سبیل" کے قاعدہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک، ایجابی اور دوسرا سلبی۔ اور سلبی پہلو غیروں کے مسلمانوں کی تقدیر اور سیاسی اور سماجی سرنوشت پر غلبہ کی نفی سے عبارت ہے اور ایجابی پہلو اسلامی امت کے سیاسی استقلال کی حفاظت اور اس کی غیروں سے وابستگی کے اسباب کے سدّباب کے دینی فریضہ کی ترجمانی کرتا ہے۔[23]

شیعہ فقہاء میں سے اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی حضرت امام خمینی نے بعض مقامات پر مسلم امت کے ہمہ گیر استقلال اور غیروں کے قبضہ کی نفی میں اس قاعدہ سے استدلال کیا ہے کہ: "قرآن کہتا ہے خدا نے ہرگز غیر مسلموں کو مسلمان پر تسلط نہیں بخشا۔ لہٰذا کافروں کو مسلمانوں پر کبھی غلبہ، تسلط، اور نفوذ حاصل نہیں ہونا چاہیے: وَلَنۡ يَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ سَبِيۡلًا (141:4)۔ مشرکین اور ان فاسد طاقتوں کو مسلمانوں پر کوئی رسائی حاصل نہیں ہونی چاہیے۔"[24] اس مطلب پر مذکورہ بالا آیت کے علاوہ ان آیات سے بھی استدلال کیا گیا ہے جو مومنین کو کافروں کی ولایت قبول کرنے سے روکتی ہیں یا اس کے منفی اور نقصان دہ انجام سے خبردار کرتی ہیں۔[25] بعض مفسرین نے کافروں کے تسلط کی نفی اور اس کے عدم جواز میں سورہ آل عمران کی اس آیت سے استدلال کیا ہے جس میں اللہ تعالی مومنین کو بیگانوں کے ساتھ دوستی سے منع فرماتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ (118:3) ترجمہ: "اے اہل ایمان غیر کو بطانہ نہ بناو۔" "بطانہ" کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ: فالمقصود بالبطانة اذن المقربون

لدی الشخص فالمسلمون لایجوز لهم اتخاذ الکافر؛ سواء کان فردا ام جماعة ام دولة، بمنزلة صاحب السر، بحیث یقرب و یعظم و یرجع الیه فی عظام الامور و مهامها و یفضی الیه باسرار المسلمین[26] ترجمہ: "بطانہ" سے مراد، قربت اور دوستی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو کافروں کو دوست اور ہم راز اور صاحب اسرار نہیں بنانا چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے کافروں کے مسلمانوں پر تسلط کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔"

"نفی سبیل" کا اصول جہاں سیاسی مباحث اور خارجہ تعلقات میں پیش آتا ہے وہاں عملی میدان میں بھی اس کے خاص مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ایران کی معاصر تاریخ میں میرزا شیرازی کا تنباکو کی حرمت کا تاریخی فتوی اور امام خمینی کا کاپلسٹن کی قرارداد کے بارے میں فتوی، نفی سبیل کے عملی نمونے ہیں۔ امام خمینی "نفی سبیل" کے اصول کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ ہر قسم کے خارجہ تعلقات اور قرار دادیں جو اس اصول کی نفی کرتے ہوں یا ان سے یہ اصول فراموش ہوتا ہو معتبر نہیں ہیں اور ایسے تعلقات استوار کرنا اور ایسی قرار دادوں پر دستخط کرنا گناہ ہے۔ لہٰذا امام خمینی نے "نفی سبیل" کے اصول کو ایک محض ایک سیاسی نظریہ کے طور پر بیان نہیں کیا؛ بلکہ اس سے بڑھ کر نفی سبیل کے اصول کو خارجہ تعلقات میں ایک لازم الاجراء امر قرار دیا اور یہ فتوا صادر کیا۔[27]

3. اسلامی عزت و وقار کا اصول

ایک مسلمان حکومت کے خارجہ تعلقات میں اسلامی عزت و وقار کا اصول، اسلامی تعلیمات کی برتری اور در نتیجہ اسلامی معاشرہ کی برتری کا ترجمان ہے۔ مومنین اور مسلمانوں کی عزت و وقار پر دلالت کرنے والی آیات[28] اور مشہور حدیث: الاسلام یعلو و لایعلی علیه[29] [اسلام غالب آتا ہے، مغلوب واقع نہیں ہوتا] اِس اصول کے فقہی مستندات شمار ہوتے ہیں۔ خارجہ روابط میں اسلامی عزت و وقار کا اصول، دین اسلام کی جامعیت، کمال اور مقبولیت پر دلالت کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس آسمانی دین کو کامل ترین اور برتر دین قرار دیا ہے اور بڑی صراحت کے ساتھ دیگر ادیان کے مقبول نہ ہونے پر زور دیا ہے: اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ(3:19) ترجمہ: "بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔" نیز فرمایا: وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (3:85) یعنی: "اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا۔"

لہٰذا مسلمان مملکت کو خارجہ تعلقات میں ایسی پالیسی نہیں اپنانی چاہیے کہ جس سے یہ اصول مخدوش یا کم رنگ ہوتا ہو۔ قرآن کریم کی بعض آیات مسلمانوں کے عزت و شوکت پانے کی غرض سے کافروں اور غیر مسلم حکومتوں پر بھروسہ کرنے کو برا قرار دیتی ہیں اور یہ امر یاد دلاتی ہیں کہ عزت، خدا و رسول اور مومنین کے لئے ہے۔ ایک آیت میں آیا ہے: بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (4:9-138) ترجمہ: "منافقین کو سخت عذاب کی بشارت دے دو، جنہوں نے کافروں کو دوست بنایا اور مومنین کو چھوڑ دیا ہے، آیا وہ کافروں کی ہمنشینی میں عزت ڈھونڈتے ہیں؟ عزت تو سب کی سب خدا کی ہے۔"

بعض مفسّرین نے جہاد کی اس معیار پر تحلیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ جہاد اس وقت جائز ہے کہ جب دینی عزت کے تحقق اور اسلام کی عظمت کے لئے ہو۔ شاید انہوں نے یہ موقف اس لیے اپنایا ہے کیونکہ جہاد کی بعض آیات میں جہاد کی غرض وغایت یہ بیان ہوئی ہے کہ کلمتہ اللہ برتری پا جائے اور کفر کا کلمہ مٹ جائے۔ معصومین علیہم السلام کی سیرت و کردار میں بھی خارجہ سیاست کی بنیاد اسلامی عزت و وقار اور دینی عظمت کے اصول پر رکھی گئ ہے۔ بطور مثال، اس کے باوجود کہ امام علی علیہ السلام غیر مسلموں سے حسن رفتار اور مسالمت آمیز رویہ اپنانے کی سفارش فرماتے ہیں، دینی عزت اور اسلامی عظمت کے تحفظ کو بھی نظرانداز نہیں کرتے: "اپنے رویے میں احتیاج اور بے نیازی کو آپس میں درآمیختہ کرو اور حسن معاشرت اور گفتگو میں نرم گفتاری کو دینی عزت اور شوکت کے ساتھ پیوند لگاو۔"[30] یوں "نفی سبیل" کے اصول کی طرح "اسلامی عزت و وقار" کا اصول بھی اسلامی حکومت کے معاہدات اور خارجہ پالیسی پر حاکم ہے؛ کچھ اس طرح کہ اگر اسلامی حکومت کی خارجہ پالسیاں کفار کی عزت و وقار کا موجب اور مسلم امت کی ذلت وخواری کا موجب ہوں تو غیر مجاز اور ممنوع ہیں۔

4. بین الاقوامی معاہدوں کی پابندی کا اصول

عہد و پیمان کو نبھانے کا اصول، اسلام کے تاکیدی احکام میں سے ایک حکم ہے جس پر کئ آیات میں تاکید ہوئی ہے۔[31] وعدہ وفائی اسلامی مملکت کی خارجہ سیاست کے اصولوں میں سے ایک اصول ہے۔ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ اس اصول کی اساس پر دیگر معاشروں کے ساتھ طے شدہ تمام سیاسی اور فوجی معاہدوں کا احترام کرے اور ان معاہدوں کی پابند رہے۔ قرآن کی بعض آیات میں بطور مطلق وعدہ وفا کرنے کا حکم آیا ہے اور بعض آیات میں عہد کی پاسداری کو ایک فریضہ اور مسوولیت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض آیات وفائے عہد پر تاکید کے ضمن میں پیمان شکنی کے تباہ کن نتائج بیان کرتی ہیں۔ وفائے عہد کے وجوب کا اصول اور پیمان کی پابندی پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور سب نے وفائے عہد کے وجوب اور مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے ساتھ خیانت اور دھوکہ دہی کو گناہ قرار دیا ہے۔[32]

جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے کہ یہ اصول کہاں لاگو ہوتا ہے اور اس کے مصداق کیا ہیں، نیز یہ کہ یہ اصول میں کتنی وسعت پائی جاتی ہے اور کون کون سے مقامات اس کے ذیل میں آتے ہیں، اس حوالے سے مختلف تفاسیر بیان ہوئی ہیں۔ آیا یہ اصول تمام معاہدات، چاہے مکتوب ہوں یا زبانی کلامی، سب کو شامل ہے یا محض Official اور مکتوب معاہدات اس کے ضمن میں آتے ہیں؟ بعض مفسرین نے "عہد" کے مطلق ہونے کی بنیاد پر

اس لفظ کے عموم کو مدّ نظر رکھتے ہوئے کہا ہے کہ تمام مواثیق اور معاہدات کی پابندی ضروری ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ اصول اپنی وسعت کے لحاظ سے محض مسلمانوں کی باہمی معاہدات کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ حلال و حرام الٰہی کے حدود کے اندر اندر، عہد کا لفظ اُن تمام عقود اور معاہدات پر مشتمل ہے جو دیانت کے مطابق اقتصادی معاملات یعنی خرید وفروخت اور معاشرتی اور سیاسی میدانوں میں کیے جاتے ہیں۔[33] وہ تمام آیات جو وفائے عہد کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں، اُن سے درج ذیل نکات نکالے جاسکتے ہیں:

1- جب تک مدت پوری نہ ہو جائے معاہدے باقی رہتے ہیں اور ان کا اعتبار باقی رہتا ہے۔

2- جس کے ساتھ معاہدہ کیا جائے اس کے ساتھ مکاری اور فریب کاری جائز نہیں اور مدت پوری ہونے تک معاہدہ کی پاسداری واجب ہے۔

3- جب معاہدہ طے پا جائے تو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اسے کسی صورت بھی توڑنا جائز نہیں ہے؛ مگر یہ کہ طرف مقابل اسے توڑ ڈالے اور دھوکہ دہی سے کام لے۔[34]

جیسا کہ اشارہ ہوا ہے اکثر مفسرین عقد اور عہد کے الفاظ کے اطلاق کو دستاویز قرار دیتے ہوئے تمام مکتوب اور زبانی کلامی معاہدوں اور مواثیق کو اس کے دائرہ میں شامل سمجھتے ہیں۔ نیز ہر قسم کے اقتصادی، حفاظتی اور سیاسی معاہدے بھی مذکورہ بالا اطلاق میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا "اوفوا بالعهد" سے مراد: اوفوا بالعقد الذی تعاقدون الناس فی الصلح بنی اهل الحرب و الاسلام و فیما بینکم ایضا و البیوع و الاشربه و الاجارات و غیر ذلك من العقود.[35] وہ تمام عقد اور پیمان ہیں جو لوگ صلح کی برقراری کے لئے یا مالی معاملات اور خرید وفروخت اور کرایہ داری وغیرہ کے حوالے سے دوسروں کے ساتھ باندھتے ہیں۔

معصوم پیشواؤں، بالخصوص پیغمبر اکرم ﷺ کی عملی سیرت میں بھی یہ اصول، اسلامی حکومت کی غیر مسلموں کے ساتھ خارجہ پالیسی کے ضمن میں قرار پاتا ہے۔ اس حوالے سے پیغمبر اکرم ﷺ کی متواتر احادیث مسلمانوں کو عہد و پیمان کی پابندی اور اسے توڑنے کی حرمت سے آگاہ کرتی ہیں۔[36] آنحضرت ﷺ کی عملی سیرت بھی اس مطلب پر تاکید کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی اس سیرت کا برجستہ ترین نمونہ آپ کی صلح حدیبیہ کی پابندی ہے۔ اس معاہدہ کی روشنی میں آپ قریش کے شکنجوں سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے تازہ مسلمانوں کو بادل نخواستہ واپس لوٹا دیتے تھے۔[37]

حضرت امام علی علیہ السلام بھی نہج البلاغہ میں سیاسی اور فوجی معاہدات کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ ان کے توڑنے کو جائز نہیں جانتے۔ آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: "اگر تیرے اور دشمن کے درمیان معاہدہ طے پا جائے یا تو اسے پناہ دینے کا تعہد کرلے تو اپنے وعدہ کو عملی جامہ پہناو اور اپنے معاہدہ کا احترام کرو اور اپنی جان کو اپنے معاہدہ

پر نثار کر دو کیونکہ فرائض الٰہی میں سے کوئی فریضہ وفائے عہد کی مانند نہیں کہ جس پر سب اہلِ دنیا کا اتفاق ہو۔ حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت کے مشرکین بھی اس کی پاسداری کرتے تھے کیونکہ انہوں نے پیمان شکنی کے عواقب کو آزمایا ہوا تھا۔ لہٰذا کسی صورت پیمان کو نہ توڑو اور اپنے عہد کے ساتھ خیانت نہ کرو۔"[38] ہر گز ان مشکل حالات میں جن میں پیمان شکنی کا ماحول فراہم ہو جائے پیمان شکنی نہ کرو کیونکہ مشکلات پر صبر میں کامیابی اور عاقبت بخیری کی امید رکھنا، اُس پیمان شکنی اور خیانت سے بہتر ہے کہ جس پر مجازات الٰہی ہو۔[39]

نتیجہ گیری

بنابریں، اسلام کی نظر میں پیمان کی پابندی اور عہد کو وفا کرنا، ایک حکمت عملی اور بلند مدّت پالیسی ہے جسے کسی صورت میں توڑنا جائز نہیں ہے۔ اس حوالے سے موجود تمام آیات و روایات سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ جب مسلمان یا اسلامی حکومت کسی ایسی حکومت یا افراد کے ساتھ کوئی معاہدہ طے کر لیں جو مسلمان نہیں ہیں تو دیگر تمام شرعی قوانین کا خیال رکھتے ہوئے طے شدہ معاہدہ یا کافروں کے تجارتی اداروں کے ساتھ باندھے گئے پیمان کو طرف مقابل جب تک نہ توڑے کسی صورت توڑنا جائز نہیں ہے اور عقل و شریعت کے حکم کی روشنی میں اس کا نبھانا ضروری ہے۔[40]

*****

References

1. See: K.J. Holsti: *International Politics: A Framework for Analysis*; Persian Translation by Behram Mustaqeemi, *Mabani-e Tahlil-e Siyast-e bayn al-Milal* (Tehran: Daftar-e-Mutaliaat-e-Siasi wa Bain-ul-Malal, 1376).

دیکھیں: کے. جے. ہالسٹی، *مبانی تحلیل سیاست بین الملل*، ترجمہ بہرام مستقیمی (تہران، دفتر مطالعات سیاسی و بین المللی، 1376)۔

2. Nadia Mahmoud Mustafa et al., *Methodological Approaches to Research in International Relations in Islam:*
https://www.noor-book.com/كتاب-المداخل-المنهاجية-للبحث-في-العلاقات-الدولية-في-الإسلام-pdf

نادیہ محمود مصطفیٰ، *المدخل المنهاجیہ فی العلاقات الدولیۃ فی الاسلام* (المعہد العالمی للفکر الاسلامی، 1996م)۔

3. Abd al-Malik b. Hisham, *Al-sīra Al-Nabviyah*, annotated by Mohi al-Din Abd al-Majeed, Vol.2 (Cairo: Maktabat-ul Alkuliyat Alzahabi, 1978), 314.

عبدالمالک ابن ہشام،السیرۃ النبویہ، تحقیق محی الدین عبدالمجید، ج2،(القاہرہ، مکتبۃ الکلیات الذہبی، 1978)، 314۔

4. Nadia Mahmoud Mustafa et al., *Methodological Approaches to Research in International Relations in Islam, 15-89.*

نادیہ محمود مصطفیٰ،المدخل المنہاجیہ فی العلاقات الدولیۃ فی الاسلام ، 15-89۔

5. For Principal of "Invitation" see the verses 107:21; 151:2; 15:17; 19:5; 165:4; 15:73; 45-6:33; 10:69; 128:9…

"دعوت" کے اصول سے مربوط آیات کے لئے دیکھیں:انبیاء (21)آیہ 107 وبقرہ (2)آیہ 151 واسراء (17)آیہ 15 و مائدہ(5)آیہ 19 ونساء (4)آیہ 165 ومزمل (73)آیہ 15 واحزاب (33)آیہ 45،46 والحاقہ (69)آیہ 10 وتوبہ (9) آیہ 128و. . . .

6. Dr. Wahba Al-Zuhaili, *Āthar al-Harb fi al-Isla* (Damascus: Dar-ul Fikr, 1992) 320-23.

وہبۃ الزحیلی،آثار الحرب فی الاسلام (دمشق: دارالفکر، 1992م)، 320-323۔

7. Muhammad Taqi Ja'fari, Trans & Annotation of *Sharh-e Nahaj al-Balagh* (Qum, Daftar-e- Nashr-e Farhang-e Islami, 1362 AHS), 174-76.

محمد تقی جعفری، ترجمہ و شرح نہج البلاغہ، ج10 (قم، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، 1362ش)، 174-176۔

8. Mutaqi Al-Hindi, *Kanz al-Ummal*, Vol.4 (Beruiet: Moassasat –ur Alrisalah, 1979), 483.

متقی ہندی، کنزالعمال، ج4 (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، 1979)، 483۔

9. Ibn-e Hisham, *Al-Sīra Al_Nabviyah*, Vol.3, 216.

ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج3، 216۔

10. Nadia Mahmoud Mustafa, *International Relations in Islam in Time of War*, (Virginia: Almahad Alaalami lil Fikr –al Islami, 1996), 27.

نادیہ محمود مصطفیٰ، العلاقات الدولیہ فی الاسلام وقت الحرب (ورجینیا، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، 1996م)، 27۔

11. Abu al-A'la Mududi, *al-Jihad fi al-Islam* (Lahore: Tarjuman-ul Alquran, 1996), 41.

ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام (لاہور، ترجمان القرآن، 1996)، 41۔

12. Muhammad Husyn Tabatabai, *Tafsīr Al-Mezān*, Vol.2 (Qum: Intisharat-e Islami, 1368 AHS), 66.

محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان، ج2 (قم، انتشارات اسلامی، 1368)، 66۔

13. Muhammad b. Ez al-Din Shaikh Bahaei', *Jame' Abbasi, Kitab al-Jihad*, (Qum: Daftar-e Intisharaat Islami, nd.), 155.

محمد بن عزالدین، شیخ بہائی، جامع عباسی، کتاب الجہاد (قم، دفتر انتشارات اسلامی، ندارد)، 155۔

14. Jamal al-Din Hasan b. Yusuf b. Motahhar Hilli, *Tabsara al-Motaa'limīn*, (Najaf: nd., nd.), 80.

جمال الدین حسن بن یوسف حلی، تبصرۃ المتعلمین (نجف، ندارد، ندارد)، 80 ۔

15. Murtaza Muthhari, *Jihad* (Tehran: Intasharaat-e Sadra, 1368 AHS), 29.

مرتضی مطہری، جہاد (تہران، صدرا، 1368)، 29۔

16. Abdullah b. Ibrahim b. Ali Al-Taieqi, *Al-Istaghasah Bigair al-Muslimīn fi Al- Fiqh Al-Islami* (Beirut: Mosasat –ur Risalat, 1414 AD), 107- onward.

عبداللہ بن ابراہیم بن علی الطریقی، الاستغاثه بغیرالمسلمین فی الفقه الاسلامی، (بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، 1414 ق)، 107 کے بعد۔

17. Ramzan Al-Bawati, *Jihad fi Al-Islam kaifa nafhamohu wa kaifa numariohu?* (Damascus: Dar-ul Fikr, 1995), 227.

رمضان البواطی، جہاد فی الاسلام کیف نفہمه وکیف نمارسه؟، چاپ دوم (دمشق، دارالفکر، 1995)، 227۔

18. Dr. Wahba Al-Zuhaili, *Aasa al-Harb fi al-Islam*, 78.

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی، آثار الحرب فی الاسلام، 78۔

19. Abu Bakr Ibn-e Arabi, *Ahkam al-Quran*, Vol. 1, (Beirut: Dar al-Kitab al-Arabi, 1421 AD), 554.

ابو بکر ابن العربی، احکام القرآن، ج1 (بیروت، دارالکتاب العربی، 1421ق)، 554۔

20. Hafiz Imad al-Din Abi al-Fida, Tafsīr al-Quran al-Azīm, Vol. 2 (Beirut: Dar-e Sadir, 1999), 114.

حافظ عماد الدین ابی الفداء، تفسیر القرآن العظیم، ج2 (بیروت، دار صادر، 1999)، 114۔

21. Abu Al-Fazal Shakuri, *Fiqh-e-Siyasi*, Vol. 2 (Qum: Maktab-ul Aalam Alislami, nd.), 384.

ابوالفضل شکوری، فقہ سیاسی، ج2 (قم، مکتب الاعلام الاسلامی، ندارد)، 384۔

22. For jurisprudential references of this Principal See:
Muhammad Hassan, Bajnurdi, Annotated by: Muhammad Hussain, Dirayati, Vol. 1 (Qum, Matbae Aladab, 1382), 157-161.

اس اصول کے فقہی مستندات کا مزید مطالعہ کرنے کے لئے دیکھیں:

محمد حسن، بجنوردی، القواعد الفقهیه، محقق: محمد حسین، درایتی، ج1 (قم، مطبعہ الاداب، 1382)، 157-161۔

23. Muhammad Reza DahshIri, *Usul wa Mabani Diplomasi-e Islami dar Majmua' Asār-e Imam Khamenei wa Hokumat-e Islami*, Vol. 61 (Tehran: Mosasa Tanzeemo Nashr Aasar Imam Khomenie, 1378AHS), 63.

محمد رضا دہشیری، *اصول و مبانی دیپلماسی اسلامی در، مجموعہ آثار امام خمینی و حکومت اسلامی*، ج61 (تہران، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، 1378)، 63۔

24. Roohullah Imam Khamenei, Sahifa-e Noor, Vol.3 (Tehran: Mosasa Tanzeemo Nashr Aasar Imam Khomenie, nd.), 4.

امام روح اللہ خمینی، *صحیفہ نور*، ج3 (تہران، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، ندارد)، 4۔

25. See given Verses: (4:138-9), (8:73), (5:55, 65).

درج ذیل آیات سے استدلال کیا گیا ہے: سورہ نساء (4) آیہ 138، 139 و انفال (8) آیہ 73 و مائدہ (5) آیہ 55، 65 ۔

26. Ibn-e Arabi, *Ahkam al-Quran*, Vol. 1, 1783.

ابو بکر ابن العربی ابن عربی، *احکام القرآن*، ج1 ، 1783۔

27. Roohullah Imam Khomeini, *Tahrīr al-Wasilah*, Vol.1, (Tehran: Mosasa Tanzeemo Nashr Aasar Imam Khomenie, nd.), 485. Problem # 4-6.

امام روح اللہ، خمینی، *تحریر الوسیلہ*، ج1 (تہران، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی، ندارد)، 485، مسائل 4- 6 ۔

28. See Versrs 4:138, 63:8.

دیکھیں: سورہ نساء (4) آیہ 138 و منافقون (63) آیہ 8۔

29. Bajnurdi, *Al-Qwaid Al-fiqhiyah*, Vol.1, 159.

بجنوردی، *القواعد الفقہیہ*، ج1، 159۔

30. Muhammad Muhammadi RayShehri, *Mosoat al-Imama Ali (as)*, Vol. 4 (Tehran: Dar-ul Haddith, 1379), 337.

محمد محمدی ری شہری، *موسوعۃ الامام علی علیہ السلام*، ج4 (تہران، دارالحدیث، 1379) ، 337۔

31. See Verses: (17:34), (2: 177), (23:8), (70:32), (15: 1), (3:76).

وہ آیات جو وفائے عہد کے وجوب اور پیمان کی پابندی پر تاکید کرتی ہیں، یہ ہیں: اسراء (17) آیہ 34 و البقرہ (2) آیہ 177 و مؤمنون (23) آیہ 8 و معارج (70) آیہ 32، مائدہ (15) آیہ 1 و آل عمران (3) آیہ 76 ۔

32. Nadia Mahmoud Mustafa, *International Relations in Islam in Time of War*, Vol. 6; p. 103.

نادیہ محمود مصطفٰی، *العلاقات الدولیہ فی الاسلام وقت الحرب* ، ج6، ص103۔

33. Muhammad b. Ahmad Al-Qurtabi, *Al-Jame' li Ahkam al-Quran*, Vol. 10 (Beirut: Mosasat –ur Risalat, 2006), 169; Tabataby, *Tafseer Al Mezan*, under versr: (34:17)

محمد ابن احمد القرطبی، *الجامع لاحکام القرآن*، ج10 (بیروت، موسسۃ الرسالہ، 2006)، 169؛ علامہ طباطبائی، *تفسیر المیزان*، ذیل آیہ "اوفوا بالعہد"۔

34. See: Nadia Mahmoud Mustafa, *International Relations in Islam in Time of War*, Vol. 6; p. 96.

دیکھیں: نادیہ محمود مصطفیٰ، ،العلاقات الدولیہ فی الاسلام وقت الحرب ،ج6، ص 96۔

35. Al-Tarīqi, *Al-Istaghatha bighair al-Muslamīn fi A-Fiqh Al-Islami*, 48, Cited from Tafsīr Al-Tabari, Vol. 15, 61.

الطریقی، الاستغاثه بغیر المسلمین فی الفقه الاسلامی، 48، بہ نقل از: تفسیر الطبری، ج15، 61۔

36. Al-Zuhaili, *Āthar Al-Harb fi Al-Islam, 350…; Razi, Nahj Al Balagha*, Letter # 53.

وہبۃ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، 350کے بعد؛ سید رضی، نہج البلاغہ، عہد نامہ مالک اشتر؛ نامہ 53۔

37. Ibn-e Hisham, *Al-Sīrat Al-Nabviah*, Vol. 3, 204; Al-Zuhaili, *Āthar Al-Harb fi Al-Islam, 345-367.*

ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج3 ،204؛ وہبۃ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقه الاسلامی، 345-367۔

38. Syed Razi, *Nahj Al Balagha*, Letter # 53.

سید رضی، نہج البلاغہ، نامہ 53۔

39. Ibid.

ایضا۔

40. Hussain Ali Muntazari, Mabani-e Fiqghi Hokumat-e Islami, Drisat fi Wilayiat al-Faqigh, Vol. 5 (Qum: Maktab-ul Aalam Alislami, 1408 AD), 258.

حسین علی منتظری، مبانی فقہی حکومت اسلامی، دراسات فی ولایۃ الفقیہ، ج5 (قم، مکتب الاعلام الاسلامی، ۱۴۰۸ھ)، 258۔